سچّی عید

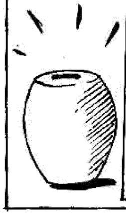

خان حسنین عاقبؔ
علامہ اقبال ٹیچرس کالونی، مومن پورہ، واشم روڈ، پوسد۔445215 (مہاراشٹر)

شعبان کا مہینہ تھا اور رمضان شروع ہونے میں دو ہفتوں کی دیر تھی۔ عدنان میاں نے ضد پکڑ رکھی تھی کہ وہ اس عید پر نئی سائیکل لیں گے۔ عدنان میاں پڑھتے تو صرف چوتھی جماعت میں تھے، لیکن بلا کے ذہین تھے۔ ان کے ابّو کے ملنے جلنے والے ان سے بات چیت کر کے حیران رہ جاتے۔ ان کی ہوشیاری، ان کی باتیں، ان کی برجستگی۔ یعنی وہ اپنی عمر سے کافی آگے کی چیز بن گئے تھے۔ اللہ کی مرضی، جو جسے جیسے نوازنا چاہے، نواز دیتا ہے۔ اس نے عدنان میاں کو ذہانت سے نوازا تھا۔ اللہ نے ان کے والدین کی دعاؤں کو قبولیت عطا کی تھی۔

خیر، عدنان میاں نے خود کے لیے ایک شرط اور رکھ دی۔ سائیکل وہ اپنے پیسوں سے خریدیں گے۔ حالانکہ ان کے امّی اور ابّو، دونوں معلم تھے اور انہیں سائیکل ہی نہیں بلکہ وہ جو چاہتے، دلوا سکتے تھے، لیکن عدنان میاں کو نہ جانے کیا سوجھی، انھوں نے چار ہزار روپیوں کی سائیکل خود اپنے جیب خرچ سے خریدنے کا فیصلہ کرلیا۔ شروع میں سب نے اسے بچے کی ضد سمجھ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن پھر کچھ سوچنے پر بات یہ سمجھ میں آئی کہ یہ تو ایک بچے کی غیرت اور خودداری کی نشو ونما اور اسے پروان چڑھانے کا معاملہ ہے۔ سب بہت خوش ہوئے۔ اب شروع ہوا اصلی کھیل۔

انھوں نے اپنے گلک یعنی پیسوں کے ڈبّے میں نئے سرے سے اپنا روزانہ کا جیب خرچ جمع کرنا شروع کردیا۔ چاکلیٹ کے پیسے، گُلک میں۔۔ اسکول کا جیب خرچ، گُلک میں..... میگی لانی ہے، اس کے پیسے، گُلک میں..... بلکہ اب تو یہ معاملہ ہوگیا تھا کہ روزانہ جتنا جیب خرچ انہیں ملتا تھا، تقریباً اتنا ہی وہ مزید حاصل کرلیتے اور اسے اپنے گلک کے حوالے کردیتے۔

پھر رمضان شروع ہوگئے۔ روزوں کی وجہ سے عدنان میاں کا باہر جانا بالکل بند ہوگیا تھا۔ اس لیے کبھی کبھی باہر جاکر چاکلیٹ یا قلفی لانے میں جو پیسے خرچ ہوتے تھے، وہ بھی بچنے لگے۔ دھیرے دھیرے گُلک کا پیٹ بھرنے لگا، لیکن معاملہ تھا چار ہزار روپیوں کا..... اتنا آسان نہیں تھا چار ہزار روپے جمع کرنا..... عدنان میاں چاہتے تھے کہ عید کے دن، عید گاہ سے واپس ہوتے ہوئے نئی سائیکل لیتے آئیں۔ ان کے سب دوست کیسے حیران رہ جائیں گے؟ کیسے حسرت سے ان کی چمچماتی سائیکل کو اِدھر اُدھر سے دیکھیں گے۔ کوئی ہاتھ لگائے گا تو میں اسے فوراً روک دوں گا، 'ارے، نئی سائیکل ہے، میلی ہوجائے گی۔' وہ سوچتے اور خود ہی ہنس دیتے۔ دو تین مرتبہ تو ان کے والدین نے انہیں نیند میں مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ بچہ نیند

میں خواب دیکھ رہا ہے اور عدنان میاں سچ میں نیند میں یہی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں فخر اس بات کا تھا کہ سائیکل ان کے اپنے پیسوں سے خریدی جائے گی۔ ان کے والدین کے پیسوں سے نہیں۔ حالانکہ یہ پیسے بھی ان کے والدین کے ہی ہوں گے، لیکن چونکہ ان پیسوں کو جمع کرنے میں عدنان میاں کی محنت اور خودداری شامل تھی اس لیے ان پیسوں کی قدر بہت زیادہ تھی۔

عید کا دن نزدیک آتا جا رہا تھا۔ پندرہ روزے پورے ہو چکے تھے۔ اتنے میں ان کے گھر ان کی پھوپی جان آ گئیں۔ اوہو، وہ کیا آئیں، جیسے گھر میں بہار آ گئی۔ پھوپی جان کے دو بچے تقریباً عدنان میاں کے ہم عمر ہی تھے۔ خوب مزے کے دن گزرے۔ سحری، افطار، دوپہر میں تھوڑا بہت کھیلنا، لیکن دو تین دن بعد پھوپی جان بھی جانے لگیں۔ عدنان میاں روہانسے ہو گئے۔

'پھوپی جان، آپ ابھی تو آئی ہیں اور ابھی جا بھی رہی ہیں۔ عید بعد جایئے گا نا!'

پھوپی جان نے انھیں گلے لگا لیا۔ بولیں، 'بیٹے، ہم یہاں ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے آئے تھے۔ رمضان کے مہینے میں اپنے گھر سے باہر نکلنا کسی طرح اچھا نہیں ہوتا، لیکن ڈاکٹر کو دکھانا تھا اس لیے آنا ہی پڑا۔ اب عید بعد آئیں گے انشاءاللہ۔'

پھوپی کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ عدنان میاں اپنے پیسوں سے سائیکل خریدنے والے ہیں۔ انھوں نے خوش ہو کر جاتے جاتے پانچ سو روپے کا نوٹ عدنان میاں کے گلک میں ڈال دیا۔ گلک کا پیٹ مزید بھر گیا۔ گلک بھی خوش نظر آ رہا تھا۔

اسی درمیاں ایک واقعہ ہو گیا۔ عدنان میاں کی امّی جس آٹو رکشا سے اپنے اسکول آیا جاتا کرتی تھیں، اس کے ڈرائیور مشتاق کو اچانک فالج ہو گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ اور بایاں پیر بے جان ہو گیا۔ ایک تو غریب آٹو ڈرائیور، اس پر اتنی بڑی بیماری اور پھر مزید یہ کہ عید کے قدموں کی آہٹیں نزدیک آتی جا رہی تھیں۔ عدنان میاں کی امی نے مشتاق کی جتنی مدد کی جا سکتی تھی، کی۔ وہ عدنان میاں کو ساتھ لے کر ہی مشتاق کی عیادت کو گئیں۔ عدنان نے اپنی آنکھوں سے غریب آٹو ڈرائیور کی حالتِ زار دیکھی۔ مشتاق کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور گھر میں کمانے والا مشتاق واحد شخص۔ تھوڑی تسلی کی صورت یہ تھی کہ مشتاق کے والد ریٹائرڈ کلرک تھے، ان کی پنشن سے مشتاق کو تھوڑا سہارا مل جاتا تھا، لیکن پورا گھر چلانا.... اور پھر ایک بیمار جوان انسان... جو بستر پر مفلوج پڑا ہو.... اس کی اور اس کے بچوں کی عید کیسی ہو گی؟

اللہ اللہ، کیسی افسوس ناک صورتِ حال تھی۔

بہر کیف! اگلے پندرہ دن بھی یوں ہی گزر گئے یہاں تک کہ چاند رات آن پہنچی۔ مسجد سے چاند دکھائی دینے کا اعلان ہو گیا۔ تراویح بند ہو گئی۔ نماز کے بعد عدنان میاں اپنے گُلک کے پیسے گننے کے لیے بیٹھ گئے۔ ایک، دو، تین، چالیس، پچاس، سو، پانچ سو، ایک ہزار، دو ہزار، تین ہزار کُل ملا کر تین ہزار پانچ سو۔ پانچ سو روپے اور جمع ہونے تھے۔ امید تھی کہ صبح عید کے دن دادا جان، چاچا جان اور دیگر کچھ رشتے داروں سے اتنی عیدی تو مل ہی جائے گی کہ سائیکل بہ آسانی خریدی جا سکے۔

اتنے میں اچانک عدنان میاں کو کچھ خیال آیا۔
انھیں عید کے کپڑوں کی فکر نہ تھی کہ والدین پہلے ہی ان کے لیے کپڑے خرید چکے تھے۔ بلکہ عید کے دیگر لوازمات بھی خریدے جا چکے تھے۔ ان کی نظر میں مشتاق کا چہرہ گھوم گیا۔ مشتاق کے بچے اور اس کی غربت..... اس کا افلاس زدہ گھر اور مشتاق کی بیماری.... مشتاق کے بچے عید کیسے منائیں گے؟ انھیں کپڑے کون دلائے گا؟ اس کے گھر شیر خورمے کا سامان کیسے آئے گا؟ وہ یہ سب سوچنے لگے۔

ابو جان چونک گئے۔ بیٹے کا چہرہ دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گئے۔ انھوں نے عدنان میاں کو اپنے قریب کر لیا۔ بڑے پیار سے پوچھا، 'بیٹے، کیا بات ہے؟ تم سائیکل کیوں نہیں لو گے؟ جس سائیکل کے لیے تم نے اتنی محنت سے پیسے جمع کئے، آج اچانک اپنا فیصلہ کیوں بدل رہے ہو؟'
عدنان میاں بولے، 'ابو، اپنے آٹو والے مشتاق انکل کے بچے کیسے عید منائیں گے؟ ان کے ابو تو بستر پر بیمار پڑے ہیں۔ ابو، میری سائیکل کے یہ پیسے آپ ابھی ان کو دے

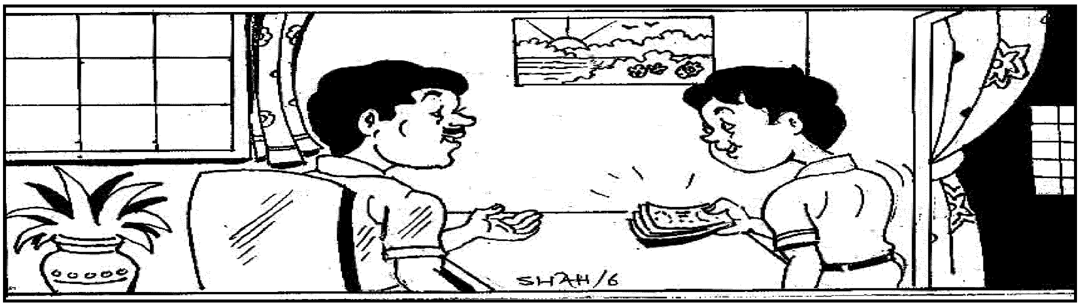

سوچتے سوچتے عدنان میاں کا چہرہ اُتر گیا۔ ان کے چہرے سے نئی سائیکل لینے کی خوشی غائب ہو گئی۔ تھوڑی دیر وہ ویسے ہی بیٹھے رہے۔ پھر مضبوط قدموں سے اٹھے، اپنا گُلک اٹھایا اور اپنے ابو کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کے والد اپنے نئے کپڑے چیک کر رہے تھے۔ عدنان میاں بولے، 'ابو جان، یہ دیکھئے میرے گُلک کے پیسے، نئی سائیکل لینے کے لیے..... یہ ساڑھے تین ہزار ہیں۔'
ان کے ابو مسکرا کر بولے، 'ہاں بھائی، کل انشاء اللہ تمہاری سائیکل آجائے گی۔ جو پیسے کم پڑیں گے، وہ ہم ڈال دیں گے۔ تم یوں سمجھ لینا کہ تمہاری عیدی ہے۔'
عدنان میاں ٹھہر کر بولے، 'لیکن ابو جان، مجھے سائیکل نہیں چاہئے ان پیسوں سے۔'

آیئے تاکہ آج ہی ان کے گھر عید کے لیے کچھ کپڑے آجائیں۔ میں سائیکل کے لیے دوبارہ پیسے جمع کرنا شروع کر دوں گا۔'
عدنان کے ابو کبھی حیرت سے اور کبھی فخر سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بیٹے کو بھینچ کر گلے لگا لیا اور بولے، 'ہاں بیٹا، ان پیسوں میں ہم بھی اپنے دو ہزار روپے ڈال دیں گے۔ تاکہ وہ اور اچھی طرح عید منا سکیں۔'
یہ سن کر عدنان کا چہرہ خوشی سے مزید دمکنے لگا۔ عدنان کے ابو کو ایسا محسوس ہوا جیسے عید کی سچی خوشی تو انہیں عید سے ایک دن قبل، چاند رات کو ہی مل گئی ہے۔ کل تو رسمی عید ہوگی، سچی عید تو آج ہی ہو گئی ہے۔

OO